Research Journal
Tahqeeqat
جلد:4، شمارہ:4، 2025ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

سعید اشعر کے افسانوں کا ثقافتی جائزہ

Cultural Analysis of Saeed Ashar's Short Stories

Iqra Nayab
BS Urdu Scholar
Post Graduate College for Women, Haripur
Rizwana Bibi
Lecturer Urdu Post Graduate College for Women, Haripur

اقراء نایاب
بی ایس اردو اسکالر پوسٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین، ہری پور
رضوانہ بی بی
لیکچرار اردو پوسٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین، ہری پور

Abstract

Saeed Ashar's short story collection Nofishing is a significant and nuanced contribution to the tradition of Urdu fiction. This article presents a cultural analysis of the collection, exploring how the author weaves themes of changing social attitudes, class disparities, urban-rural contrasts, and the conflict between tradition and modernity into his narratives. The characters, dialogues, and settings in Nofishing vividly reflect the internal and external dimensions of South Asian particularly Pakistani culture. This study delves into the cultural layers, local color, symbolism, and metaphorical language present in the stories, aiming to interpret the collection not only as a literary work but also as a cultural document. Ultimately, the article argues that Saeed Ashar's storytelling offers a compelling and meaningful reflection of contemporary cultural realities within the broader context of Urdu literature.

Keywords: *Saeed Ashar,Urdu Short Story,Cultural Criticism,Social Issues,Societal Issues,Realism,Literary Trends,Modern Urdu Literature,Cultural Context.*

کلیدی الفاظ: سعید اشعر، اردو افسانہ، ثقافتی تنقید، سماجی مسائل، معاشرتی مسائل، حقیقت نگاری، ادبی رجحانات، جدید اردو ادب، ثقافتی تناظر

انسان نے پتھر کے دور سے نکل کر زراعت سے ہوتے ہوئے صنعت و حرفت کے دور میں قدم رکھا پہیے کی ایجاد ہوئی اور انسان کی ترقی کی رفتار روشنی کی رفتار سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔۔ ہر نیا دن نئی ایجاد، نئے رنگ، نئی چیزیں لاتا رہا۔ تیزی سے بدلتے ہوئے حالات میں انسان اپنی شناخت سے دور جاتا رہا۔ یہ ترقی صرف صنعت و حرفت تک محدود نہ رہی بلکہ ثقافت، اخلاق اور ادب میں بھی در آئی۔ ماضی میں اصلاحِ معاشرہ اور انسان کی فکری تربیت کے لیے مختلف قسم کے ادبی فن پارے تخلیق کیے جاتے تھے، جن میں اخلاقی اقدار اور معاشرتی شعور نمایاں ہوتا۔ مگر جیسے جیسے جدیدیت کا سیلاب آیا، لوگ ان روایتی فن پاروں سے دور ہونے لگے اور اُن کے اثرات مدھم پڑنے لگے۔

اردو ادب کی ابتدا میں جو صنف سب سے پہلے سامنے آئی، وہ داستان تھی۔ داستانوں کی خاصیت اس کا طویل بیانیہ، پیچیدہ پلاٹ اور تصوراتی دائرہ تھا، جو بعض اوقات عام قاری کی سمجھ سے بالاتر ہو جاتا۔ وقت کی کمی اور مصروف زندگی کی رفتار نے رفتہ رفتہ داستان کو قارئین کی ترجیحات سے باہر کر دیا، اور اس کی جگہ مختصر اور مؤثر بیانیے نے لے لی۔ داستان ناول میں ڈھلی، ناول مختصر ہوتے ہوتے افسانہ بن گیا۔

افسانہ اردو ادب کی نثری اصناف میں ایک اہم اور مقبول صنف ہے۔ لغوی معنوں میں افسانہ جھوٹی یا فرضی کہانی کو کہا جاتا ہے، تاہم ادبی اصطلاح میں یہ حقیقت اور تخیل کے امتزاج سے زندگی کے کسی ایک پہلو کو مختصر مگر مؤثر انداز میں پیش کرنے کا فن ہے۔ اگر ناول کو زندگی کا مکمل عکس کہا جائے، تو افسانہ زندگی کا کوئی خاص جزو پیش کرتا ہے۔ افسانے میں اختصار، وحدتِ تاثر، اور ایک ہی واقعے پر مرکوز بیانیہ اس کی نمایاں

OPEN ACCESS
HEC
DRJI
INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE
اشاریہ اردو جرائد
EuroPub

خصوصیات ہیں۔ یہ مختصر کہانی عام طور پر ایک نشست میں پڑھی جاسکتی ہے، اور اپنی سادگی، روانی اور شدتِ تاثر کے باعث قاری کو گہرے اثر میں لے آتی ہے۔ معروف نقاد سید وقار عظیم افسانے کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں: "مختصر افسانہ ایک ایسا مختصر داستان کو کہتے ہیں کہ جس میں ایک خاص کردار، ایک خاص واقعہ، ایک تجربہ یا کسی خاص تاثر کی گئی ہو (نیز) اس کے پلاٹ کی تفصیل اس قدر منظم ہو کہ اس کے اثر کی وحدت نمایاں ہو۔ افسانہ عصر قدروں کی ترجمانی کرتا ہے۔"(1) بقول موپاساں: "ایک ایسی کہانی جسے ہم آدھا گھنٹے سے لے کر دو گھنٹوں تک پڑھ سکیں "(2) سید احتشام حسین نے اس کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے: "افسانہ اس مختصر کہانی کو کہتے ہیں کہ جو ایک ہی نشت میں پڑھی جاسکے "(3)

بقول ڈاکٹر انور سدید:

> "افسانہ انسانی مسرت یا انسانی دکھ کو ہی پیش نہیں کرتا بلکہ اس فطرت کو بھی منعکس کرتا ہے جو نائب الٰہی کو خدا کی طرف سے ودیعت ہوئی ہے۔(4)"

ڈاکٹر ابو اللیث نے لکھا ہے:

> "اس سے (مختصر افسانہ) مراد نثر میں ایک مختصر سا وہ قصہ ہے۔ جس میں زندگی کے کسی پہلو کو بے نقاب کیا گیا ہو"۔(5)

افسانہ مختصر ترین صنفِ ادب ہونے کے باوجود اپنے عہد کی تہذیبی و ثقافتی روح کو پیش کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ ایک اچھا افسانہ نہ صرف فرد کی داخلی کیفیات کو اجاگر کرتا ہے بلکہ اس کے معاشرتی ماحول، رسم و رواج، اقدار اور رویوں کا عکاس بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو افسانے میں جہاں سماجی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے وہیں اس کے ذریعے اقوام کے ثقافتی رنگ بھی بھرپور طور پر سامنے آتے ہیں۔ ثقافت کسی بھی قوم کی زندگی کا آئینہ ہوتی ہے، جو اس کے رسم و رواج، عقائد، روایات، زبان، لباس، طرزِ زندگی، اقدار، اور رویوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ادب، بالخصوص افسانہ، معاشرتی زندگی کا عکس ہوتا ہے اور مصنف اپنے قلم کے ذریعے نہ صرف سماجی مسائل کی عکاسی کرتا ہے بلکہ اپنی تہذیب و ثقافت کو بھی محفوظ کرتا ہے۔ گسٹوف کلائم ثقافت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "رسوم و روایات، امن و جنگ کے زمانے میں انفرادی اور اجتماعی رویے دوسروں سے اکتساب کیے ہوئے طریقہ ہائے کار، سائنس، مذہب اور فنون کا وہ مجموعہ ثقافت کہلاتا ہے جو نہ صرف ماضی کا ورثہ ہے بلکہ مستقبل کے لیے تجربہ بھی ہے"(6)

ای۔ بی۔ ٹیلر ثقافت کی تعریف اس طرح کرتا ہے:

> "ثقافت سے مراد وہ علم، فن، اخلاقیات، قانون، رسوم و رواج، عادات، خصلتیں اور صلاحیتوں کا مجموعہ ہے جو کوئی اس حیثیت سے حاصل کرسکتا ہے کہ وہ معاشرہ کا ایک رکن ہے"(7)

اسی طرح ثقافت کی تعریف میں رابرٹ ایڈفلیڈر رقم طراز ہے: "ثقافت انسانی گروہ کے علوم اور خود ساختہ فنون کا ایک ایسا متوازن نظام ہے جو باقاعدگی سے کسی معاشرہ میں جاری و ساری ہے"۔(8)

ثقافت ایک جامع اور ہمہ گیر اصطلاح ہے جو کسی بھی انسانی معاشرے کے اجتماعی رویّوں، اقدار، اور طرزِ زندگی کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ محض ظاہری رسم و رواج یا روایتی طور طریقوں تک محدود نہیں، بلکہ اس میں ایک قوم یا گروہ کے علم، عقائد، فنونِ لطیفہ، قوانین، اخلاقی اصولوں، رہن سہن کے انداز، ذہنی و عملی صلاحیتوں اور روزمرہ عادات و اطوار جیسے پہلو شامل ہوتے ہیں۔ ثقافت دراصل ایک معاشرے کی تہذیبی پہچان ہوتی ہے جو نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہے اور ہر دور میں اپنے اندر کچھ نیا جذب کرتی ہے۔ ماہرینِ سماجیات نے ثقافت کے مختلف پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی متعدد تعریفیں کی ہیں، جن کے ذریعے یہ سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ انسانی معاشرت کا وہ کون سا فکری و عملی پہلو ہے جو کسی

قوم کو دوسری اقوام سے ممتاز بناتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ثقافت نہ صرف انسان کی اجتماعی شناخت ہے بلکہ اس کی فکری پختگی اور تہذیبی شعور کا آئینہ دار بھی ہے۔

افسانے میں ثقافتی عناصر کا مطالعہ اس لیے بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ یہ ہمیں ماضی اور حال کے درمیان ایک فکری ربط فراہم کرتا ہے۔ افسانہ نگار جب اپنے کرداروں، ماحول، اور واقعات کی تشکیل کرتا ہے تو دراصل وہ ایک مکمل ثقافتی فریم ورک ترتیب دیتا ہے، جس میں اس وقت کے معاشرتی میلانات، طبقاتی فرق، مذہبی رجحانات، اور لسانی شناخت جھلکتی ہے۔ سعید اشعر بھی ان افسانہ نگاروں میں شامل ہیں جنہوں نے اپنی تحریروں میں ثقافت کو محض پس منظر کے طور پر استعمال نہیں کیا بلکہ اسے اپنے بیانیے کا ایک لازمی اور موثر جزو بنایا۔

انسانی شعور کی پیچیدگی کا یہ عالم ہے کہ اس کے باطن میں بیک وقت کئی متضاد کیفیات جنم لیتی ہیں۔ امید اور مایوسی، اضطراب اور سکون، خاموشی اور صدا، صبر اور بے قراری، ترتیب اور انتشار۔ یہ متضاد جذبات جب ایک انقلابی شخصیت میں مجتمع ہوتے ہیں تو اس کی فکری ساخت کو ایک انوکھا توازن عطا کرتے ہیں، جو اُسے عام انسانوں سے منفرد بنا دیتا ہے۔ ایک سچا انقلابی، جو قلم کا سپاہی بھی ہو، جب ان جذبات کو فن کی صورت میں ڈھالتا ہے تو اُس کی تخلیقات محض الفاظ کا مجموعہ نہیں ہوتیں بلکہ ایک عہد کی سماجی اور فکری تاریخ کا عکس بن جاتی ہیں۔

سعید اشعر ایک باطن آشنا تخلیق کار ہیں جنہوں نے نہ صرف سماجی ناہمواریوں پر اپنی گہری نظر رکھی بلکہ انسانی دکھ درد کو تخلیقی پیرائے میں بیان کرنے کا سلیقہ بھی پیدا کیا۔ چونکہ ادیب فطری طور پر حساس اور باریک بین طبیعت کا حامل ہوتا ہے، اس لیے وہ عام فرد سے ہٹ کر دنیا کو محسوس کرتا ہے کبھی مظلوم کی آہ سن لیتا ہے، تو کبھی ظالم کے سکوت میں چھپی گھن گرج کو پہچان لیتا ہے۔ سعید اشعر کی شخصیت اسی حساسیت کا پیکر ہے، جو انسانیت کی تذلیل کو نہ صرف محسوس کرتا ہے بلکہ اسے بیان کرنے کی اخلاقی جرأت بھی رکھتا ہے۔

ان کی تحریریں نہ صرف ادبی جمالیات کا نمونہ ہیں بلکہ عہدِ حاضر کے سماجی تضادات کا بے لاگ تجزیہ بھی پیش کرتی ہیں۔ وہ لفظ کو صرف اظہار کا ذریعہ نہیں بناتے بلکہ اُسے احتجاج، جذبہ، درد اور شعور کا پُل بنا دیتے ہیں ایک ایسا پُل جو قاری کو محض تفریح نہیں دیتا بلکہ فکری ارتعاش سے دوچار کرتا ہے۔ ان کے افسانے نہ صرف انسانی جذبات اور سماجی ناانصافیوں کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ مخصوص جغرافیائی اور تہذیبی پس منظر کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ ان کے کردار عام لوگوں کی طرح جیتے، روتے، ہنستے، اور معاشرے کی تہہ میں پنپتی ثقافتی قدروں کو مجسم کرتے ہیں۔ چنانچہ سعید اشعر کے افسانوں کا ثقافتی جائزہ ہمیں نہ صرف ان کے فکری و فنی اسلوب کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے بلکہ اردو ادب میں ثقافت کی موجودگی اور اہمیت کو بھی نمایاں کرتا ہے۔ بقول ڈاکٹر عادل سعید قریشی:

> "افسانے میں جن جن موضوعات کو سعید اشعر نے چنا ہے وہ اس کی فکری توانائی اور پیشکش کے انفراد کا اعلان کرتے ہیں۔ اسی طرح سعید اشعر کی برت اور فنِ افسانہ نگاری پر اس کا عبور اس کے افسانوں کو ادبی حسن سے ہم کنار کرتا ہے۔" نوفشنگ" میں سارے افسانے بالاستیعاب اپنے قاری کو ماضی کے حسن اور طلسم کو پرکھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ہر افسانہ اپنے تخلیق کار کے ٹھوس تجربے اور فطانت کا گواہ ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ سعید اشعر کے پاس 'حال' یا 'مستقبل' کا موضوع بالکل نہیں۔"(9)

بقول ڈاکٹر عادل سعید قریشی:

> "نوفشنگ" میں سعید اشعر کے افسانوں کو اگر آپ دیکھیں گے تو ان میں آپ کو زندگی ملے گی۔ ایسی زندگی جو عام انسان کو میسر ہے، جہاں بھوک اور سیری ہے، جہاں خوش حالی اور افلاس ہے، جہاں غم اور مسرت ہے، جہاں زندگی کے دکھ اور

موت کا درد ہے، جہاں منافقت و وفا، ایثار و حرص، ہجر و وصال، محبت اور نفرت، عفو و انتقام، تدبر اور اتاولا پن سبھی کچھ ملے گا۔ "نوفشنگ" میں اپنے سارے جذبوں، احساسات اور اقدار کے ساتھ جلوہ فگن دکھائی دے گی "(10)

سعید اشعر کا افسانہ **"ڈالڑی کا ممدو"** محض ایک انفرادی تجربے کی داستان نہیں بلکہ ایک بھرپور ثقافتی، سماجی اور معاشی منظر نامے کی عکاسی کرتا ہے، جو قاری کو ایک مخصوص جغرافیائی اور تہذیبی پس منظر سے روشناس کراتا ہے۔ اس افسانے کا مطالعہ ثقافتی تناظر میں کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ کہانی ایک ایسے دیہی معاشرے کی نمائندگی کرتی ہے جہاں ماضی کی یادیں، سماجی ڈھانچے، اور معاشرتی تعلقات آپس میں گہرے طور پر پیوست ہیں۔ یہاں روایت، رسم و رواج، طبقاتی تقسیم اور محرومی کا ایسا امتزاج ملتا ہے جو اس خطے کی عمومی ثقافتی فضا کو واضح کرتا ہے۔

افسانے میں دیہی زندگی کی جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں وہ ایک قدیم، خود کفیل، مگر بنیادی شہری سہولتوں سے محروم طرزِ زیست کا پتہ دیتی ہیں۔ تعلیم، صحت، صاف پانی اور سڑک جیسی بنیادی ضروریات کی عدم موجودگی کے باوجود یہاں کے باسی ایک مضبوط سماجی رشتے میں بندھے نظر آتے ہیں، جہاں باہمی ہمدردی، تعاون اور اجتماعی شعور نمایاں ہے۔ مصنف کے جملے جیسے "یہاں کوئی سڑک تھی اور نہ آب رسانی کی کوئی سہولت" اور "تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی" محض بیانیہ نہیں بلکہ ایک پورے نظام کی غربت، پسماندگی اور ریاستی بے حسی کا علامتی اظہار ہیں۔

یہ افسانہ اس گہرے شعور کا مظہر ہے جس کے تحت سعید اشعر نے نہ صرف ایک فرد کی محرومیوں کو دکھایا بلکہ اس فرد کے ذریعے ایک پورے نظام کی خامیوں، طبقاتی تفریق اور وسائل کی غیر مساوی تقسیم کو بھی فکشن کی زبان میں اجاگر کیا ہے۔ "ڈالڑی کا ممدو" ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہم پاکستانی دیہی ثقافت کی شکست و ریخت، سماجی ناانصافی اور انسانی رشتوں کی نزاکت کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ افسانے "ڈالڑی کا ممدو" کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> "وہ بھی کیا زمانہ تھا جب گاؤں کا ہر گھر پوری طرح آباد تھا حالانکہ اس وقت یہاں نہ کوئی سڑک تھی اور نہ آب رسانی کی کوئی سہولت۔ تعلیم اور صحت کے مراکز یہاں سے کافی فاصلے پر تھے۔ حکومت کی طرف سے کسی ترقیاتی منصوبے کا کوئی تصور بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ لوگوں نے پتھر توڑ توڑ چھوٹے چھوٹے کچھ کھیت بنا رکھے تھے جن میں تھوڑی بہت کھیتی باڑی کر لیتے۔ عام طور پر لوگوں نے دودھ لسی کے لیے بکریاں اور گائیں پال رکھی تھیں۔ ان کے ڈربہ نما گھر مٹی اور پتھروں سے بنے ہوئے تھے۔ چار دیواری اور ٹوائلٹ کا کوئی تصور نہیں تھا۔ تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی۔"(11)

سعید اشعر نے اپنے افسانے "گڑیا" میں ثقافت کو محض ایک پس منظر کے طور پر استعمال نہیں کیا، بلکہ اسے کہانی کے بیانیے، کرداروں کی تشکیل، اور موضوعاتی گہرائی کا ایک متحرک اور فعال عنصر بنا دیا ہے۔ انہوں نے پاکستانی دیہی معاشرے کی روحانی، خاندانی، اور طبقاتی ثقافت کو اس قدر سلیقے اور فنی پختگی سے پیش کیا ہے کہ ثقافت خود ایک کردار کی صورت میں ابھر کر سامنے آتی ہے۔

سب سے نمایاں ثقافتی عنصر روحانیت اور ماورائی عقائد ہیں۔ سعید اشعر نے جنات، عاملوں، اور پیر کرامت شاہ جیسے کرداروں کے ذریعے اس بات کو نمایاں کیا ہے کہ پاکستانی معاشرہ ابھی تک عقائد کی دنیا میں جکڑا ہوا ہے، جہاں غیر مرئی قوتوں پر ایمان محض اعتقادی سطح پر نہیں بلکہ عملی زندگی کے فیصلوں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ گڑیا جیسے کردار کو روحانی تاثیر کا حامل دکھا کر مصنف نے یہ باور کروایا کہ ایسے عقائد اب بھی عوامی ذہنیت کا حصہ ہیں، اور ثقافت کا وہ پہلو ہیں جو جدیدیت کے باوجود راسخ ہیں۔

سعید اشعر نے خاندانی نظام کو بھی ایک اہم ثقافتی ستون کے طور پر افسانے میں جگہ دی ہے۔ خالہ اور گڑیا کے باہمی تعلق، خالہ کی اپنی اولاد کے لیے تڑپ، اور گڑیا کی خدمت گزاری و قربانی جیسی روایات اس امر کی علامت ہیں کہ پاکستانی ثقافت میں خاندانی رشتوں کی اہمیت محض جذباتی

وابستگی تک محدود نہیں، بلکہ وہ ایک اخلاقی، معاشرتی اور مذہبی فریضہ سمجھی جاتی ہے۔ ان جذبات کی پیش کش میں اشعر کا انداز نہ صرف حقیقت پسندانہ ہے بلکہ اس میں تہذیبی رمزیت بھی شامل ہے۔

معاشی ثقافت کی پیش کش بھی بڑی سادگی مگر شدت کے ساتھ کی گئی ہے۔ دہی بڑے اور یخنی بیچنے جیسے روزمرہ کے مشاغل محض دیہی معیشت کی عکاسی نہیں کرتے بلکہ اس بات کو بھی اجاگر کرتے ہیں کہ معاشرتی نچلے طبقے میں محنت کشی اور خودداری ایک اہم ثقافتی قدر ہے۔ غربت کے باوجود عزتِ نفس اور معاشی خودمختاری کا تصور خالہ اور خالو کے کرداروں کے ذریعے ابھارا گیا ہے، جو پاکستان کے محنت کش طبقے کی ثقافتی شناخت کو واضح کرتا ہے۔ افسانے کے اندر لسانی رنگ، مذہبی علامتیں، رسم ورواج، اور مقامی رویّے نہایت باریک بینی سے کہانی کا حصہ بنائے گئے ہیں۔ گفتگو کے انداز، کرداروں کی سوچ، اور ان کے فیصلے ان کے ثقافتی پس منظر سے گہری مطابقت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر پیر کرامت شاہ کی شخصیت پاکستانی معاشرت میں روحانی شخصیات کے مقام، اثر، اور اختیار کی علامت ہے۔

سعید اشعر کا اندازِ تحریر ثقافت کو محض جامد مظاہر کے طور پر پیش کرنے کے بجائے اسے متحرک، بدلتے، اور باہم متصادم رجحانات کے طور پر بیان کرتا ہے۔ وہ دکھاتے ہیں کہ کس طرح قدیم عقائد، جدید عقلیت پسندی، اور طبقاتی جدوجہد ایک ہی ثقافتی فریم ورک میں متوازی طور پر موجود ہیں۔ افسانے کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> "پیر کرامت شاہ ایک طرف بچھائی فرشی نشست پر بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے ڈیسک پر مختلف کتابیں اور کچھ کاغذ ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔ کتابوں کے اوپر ایک درمیانے سائز کی سبز رنگ کی شیشے کی بوتل بھی رکھی ہوئی تھی۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ پیر کرامت شاہ نے اپنی مخالفت کرنے والے تمام جنوں کو اس بوتل میں بند کر کے رکھا ہوا ہے،"(12)

سعید اشعر کا افسانہ "نوفشنگ" نہ صرف فرد کی داخلی کشمکش کا بیانیہ ہے بلکہ یہ ایک کثیر الثقافتی منظرنامہ بھی تشکیل دیتا ہے، جس میں پاکستان کے دیہی اور شہری زندگیوں کے درمیان تضاد کو نہایت فنکارانہ مہارت سے اجاگر کیا گیا ہے۔ مصنف نے ثقافت کو محض پس منظر کے طور پر نہیں برتا، بلکہ اسے کہانی کی معنویت، کرداروں کی تشکیل، اور موضوعاتی گہرائی کا ایک متحرک عنصر بنا کر پیش کیا ہے۔ افسانے میں دیہی اور شہری طرزِ زندگی کے فرق کو مرکزی ثقافتی موضوع کی حیثیت حاصل ہے۔ فرحت کا کردار اس فرق کا نمائندہ ہے، جو ایبٹ آباد کے ایک روایتی، محدود وسائل والے گاؤں سے نکل کر کراچی جیسے وسیع اور متنوع شہری ماحول میں قدم رکھتا ہے۔ گاؤں کی زندگی میں سادگی، خاندانی رشتوں کی مضبوطی، اور روایتی اقدار غالب ہیں، جب کہ شہری زندگی میں ذات، قوم، اور جدید طرزِ فکر کا غلبہ دکھائی دیتا ہے۔ سعید اشعر نے فرحت کے ذریعے ایک ایسے فرد کی عکاسی کی ہے جو ان دونوں دنیاؤں کے درمیان جھولتا ہے اسے شہری وسعتیں اپنی جانب کھینچتی ہیں، مگر گاؤں کی مٹی، لوگ، اور روایات اس کے دل میں گہرائی سے پیوست رہتی ہیں۔ افسانے کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> "فرحت نے جوں ہی دسویں کا امتحان دیا اس کے والدین نے اس کے ماموں کی بیٹی شاہدہ سے اس کی شادی کروادی۔ ان کو بڑا چاتھا کہ ان کے اکلوتے بیٹے کی دلہن آجائے لیکن فرحت کو کراچی جانے کا شوق چڑھا ہوا تھا۔ جوں ہی ایبٹ آباد بورڈ نے دسویں کی سند اور ڈومیسائل لے کر نیوی کے بھرتی آفس پہنچ گیا۔ سینکڑوں امیدواروں کی موجودگی کے باوجود وہ بھرتی کر لیا گیا"(13)

مصنف نے شادی اور خاندان کے تناظر میں بھی ثقافتی رویوں کو مؤثر طریقے سے پیش کیا ہے۔ شاہدہ کا کردار روایتی دیہی عورت کی نمائندگی کرتا ہے خاموش، قربانی دینے والی، اور جذبات کو دبانے والی شخصیت، جو گاؤں کی روایات کے تابع ہے۔ اس کے برعکس، سائرہ کی شخصیت شہری و

جدید اقدار کی عکاس ہے چنچل، خوش مزاج، خود اعتماد، اور اپنے جذبات کے اظہار میں بے باک۔ دونوں خواتین کے کرداروں کے ذریعے مصنف نے پاکستانی معاشرے میں خواتین کی مختلف ثقافتی پرتوں کو نمایاں کیا ہے، اور دکھایا ہے کہ ایک ہی خاندان میں کیسے روایتی اور جدید رویے بیک وقت موجود ہو سکتے ہیں۔

فرحت کی زندگی کا ارتقا، اس کی نوکری، اور مختلف قوموں و ذاتوں سے رابطہ، پاکستانی شہروں میں پائی جانے والی **ثقافتی** کا اشارہ ہے۔ اس کا کراچی جانا نہ صرف جغرافیائی تبدیلی ہے بلکہ ایک ثقافتی تنوع کا سامنا بھی ہے، جہاں وہ مختلف طرزِ زندگی، بولیوں، مزاجوں اور کھانوں سے متعارف ہوتا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود، وہ اپنی جڑوں سے کٹا ہوا محسوس نہیں ہوتا بلکہ اس کے اندر روایات کے لیے ایک جذبہ، اور اپنے علاقے اور تہذیب کے لیے محبت باقی رہتی ہے، جو پاکستانی معاشرے میں رائج ثقافتی یادداشت (cultural memory) کی عکاسی کرتی ہے۔

افسانے **میں** زبان و لہجے، کھانوں، رہن سہن، اور عادات و اطوار کے ذریعے بھی ثقافت کی جھلک نمایاں کی گئی ہے۔ سائرہ کا چٹ پٹی چیزوں کی طرف جھکاؤ، اس کی خوش خوراکی، اور فرحت کے مزاج کا خیال رکھنا، نہ صرف اس کے ذاتی مزاج کی نمائندگی کرتے ہیں بلکہ پاکستانی گھریلو عورت کے روایتی **کردار** جس میں خدمت، احساس اور گھر کی مرکزیت بھی عکاسی کرتے ہیں۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "فرحت کا والد فرید خان بھی پاکستان آرمی کا ایک ریٹائرڈ فوجی تھا۔ پنشن اور کہل ڈیم کے شمال میں اپنی بارانی زمینوں کی فصلوں کی کمائی سے وہ گھر کا نظام چلا رہا تھا۔ دودھ، دہی، اور گھی کے لیے اس کے پاس کچھ گائیں اور بھینسیں تھیں۔ اگرچہ وہ گاؤں میں رہائش پذیر تھا لیکن جانوروں کی گوہال زمینوں میں ہی تھی۔ بقر عید پر وہ پنجاب سے بہت سارے جانور لے آتا اور جاننے والوں کو معقول منافع کے ساتھ بیچ دیتا۔ لوگوں کی نظر میں وہ خوشحال سمجھا جاتا تھا۔ چھوٹا خاندان ہونے کی وجہ سے اس کے اخراجات بھی کافی حد تک کم تھے"(14)

اس افسانے میں سماجی طبقاتی فرق، شہری و دیہاتی زندگی کا تقابل اور پاکستانی ثقافت کی متنوع پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ یہ افسانہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ روایات اور جدیدیت کے درمیان توازن کیسے قائم رکھا جاتا ہے، اور انسان کی زندگی کے مختلف مراحل میں اس کی ثقافتی اقدار کس طرح بدلتی ہیں۔ سعید اشعر کا افسانہ "نفیس آدمی" پاکستان کے سماجی اور ثقافتی منظرنامے کی گہری عکاسی کرتا ہے۔ اس میں پاکستانی معاشرتی تعلقات، آداب، اور روایات کو بیان کیا گیا ہے، جو ایک خاص ثقافتی پس منظر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ افسانے میں کئی اہم ثقافتی پہلو موجود ہیں جن کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔

افسانے میں یوسف چاچا کا کردار ایک انتہائی "نفیس آدمی" کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جو اپنی زندگی میں اخلاقی قدروں، مہمان نوازی اور تکلفات کو اہمیت دیتا ہے۔ یہ روایت پاکستان میں بہت رائج ہے جہاں کسی بھی شخص کا استقبال کرتے ہوئے ان کی عزت افزائی کے لئے ان کے ساتھ تکلف سے پیش آنا ضروری سمجھا جاتا ہے:

> ""تکلفات کے قائل تھے کہیں خالی ہاتھ جانا ان کو گوارہ نہیں تھا۔ جہاں بھی جاتے موسمی پھل کی باسکٹ یا مٹھائی کا ڈبہ ہاتھ میں لیے ہوئے ہوتے۔"(15)

اس اقتباس میں پیش کیا گیا طرزِ عمل پاکستانی ثقافت کے ان باریک اور نازک پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے جو معاشرتی آداب، روایتی اقدار اور باہمی تعلقات کی بنیاد پر قائم ہیں۔ کسی کے ہاں خالی ہاتھ نہ جانا محض ایک رسمی عمل نہیں بلکہ ایک گہری ثقافتی سوچ کی علامت ہے، جو خلوص، عزت اور تعلق کی پاسداری کا اظہار کرتی ہے۔ مٹھائی یا موسمی پھل ساتھ لے جانا معاشرتی رواج کے ساتھ ساتھ تعلقات میں محبت اور احترام کو فروغ دینے

کا ایک ذریعہ ہے۔ ایسے افراد جو تکلفات کے قائل ہوتے ہیں، وہ دراصل اس بات کو اہمیت دیتے ہیں کہ ہر ملاقات میں خلوص اور تہذیبی شائستگی کا پہلو شامل ہو۔ یہ رویہ پاکستانی معاشرے میں مہمان نوازی، باہمی عزت، اور روایتی اقدار کو برقرار رکھنے کی ایک روشن مثال ہے، جو آج کے مادہ پرستانہ دور میں بھی ہمارے ثقافتی شعور کا حصہ ہے۔

سعید اشعر کا افسانہ "مبارک ہو" پاکستانی معاشرت میں رائج جدید شہری ثقافت، طبقاتی تقسیم، اور اجاہ داری سیاست کی گہری تہوں کو نہایت باریک بینی سے آشکار کرتا ہے۔ یہ افسانہ بظاہر ایک خوشگوار افطار کی تقریب کے گرد گھومتا ہے، لیکن اس کے بطن میں سماجی امتیازات، طبقاتی احساسِ برتری، اور معاشی طاقت کی نمائشی نفسیات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ہوٹل میں منعقدہ افطاری، جس میں مہمانوں کی نشستیں ان کی سماجی و ادارہ جاتی حیثیت کے مطابق متعین کی گئی ہیں، اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ہماری معاشرتی ساخت میں طبقاتی تفریق نہ صرف موجود ہے بلکہ اسے قبولیت کا درجہ حاصل ہو چکا ہے۔ وی آئی پی شخصیات کے لیے علیحدہ میزیں، جبکہ نچلے طبقے کے ملازمین کے لیے کم تر انتظامات، ایک ایسے سماجی رویے کی علامت ہیں جو انسانی برابری کے اصول سے متصادم ہے۔

ہوٹل کا انتخاب، اس کی تزئین و آرائش، قیمتی قالین، جدید روشنیوں سے مزین ماحول، اور مغربی انداز کی میزبانی، اُس ثقافتی تبدیلی کی غمازی کرتی ہے جو نو آبادیاتی ورثے اور جدیدیت کے زیرِ اثر پاکستانی اشرافیہ میں پنپ رہی ہے۔ اشعر نے نہایت فنی چابک دستی سے اس طرزِ زندگی کو تنقیدی انداز میں پیش کیا ہے جس میں تقاریب، دعوتیں اور رسمی محفلیں محض سماجی رتبے کی نمائشی مشق بن چکی ہیں۔ یہ تمام عناصر محض ایک تقریب کی تفصیل نہیں بلکہ وہ ثقافتی بیانیہ ہیں جو آج کی مادی اقدار اور سماجی شناخت کے بحران کو اجاگر کرتے ہیں۔

افسانے کا مرکزی کردار ایک ایسے فرد کی نمائندگی کرتا ہے جو رسمی تعلقات کے جال میں الجھا ہوا ہے اور جس کی شناخت اس کی پیشہ ورانہ حیثیت اور ادارہ جاتی وابستگی سے مشروط ہو چکی ہے۔ جب اُسے ادارے سے سبکدوش کیے جانے کی اطلاع ملتی ہے تو اس کا اضطراب اور ذہنی کیفیت محض ذاتی نقصان نہیں بلکہ اُس معاشرتی حقیقت کی علامت ہے جس میں انسان کی قدر کا تعین اس کی پیداواریت، عمر اور سماجی مقام کے پیمانوں سے کیا جاتا ہے۔ یہ ثقافتی تنقید کا ایک گہرا پہلو ہے جس میں انسان کو ادارے کے ایک "وسیلہ" (resource) کے طور پر برتا جاتا ہے۔

مزید برآں، افطاری میں شریک افراد کی باہمی گفتگو، روابط، اور رسمی تبادلہ خیالات اس حقیقت کو عیاں کرتے ہیں کہ جدید شہری معاشرت میں تعلقات کی نوعیت خالصتاً مفاداتی ہو چکی ہے۔ خلوص اور قلبی وابستگی کی جگہ اب ادارہ جاتی ضرورتوں اور سماجی رسوخ نے لے لی ہے۔ اشعر نے اس افسانے کے ذریعے محض ایک تقریب کی منظر نگاری نہیں کی بلکہ اس کے پس پردہ موجود ثقافتی رویّوں، طبقاتی الجھنوں، اور انسانی تعلقات کے کھوکھلے پن کو نہایت فنکارانہ اور فکری انداز میں پیش کیا ہے۔ افسانے کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> "ہوٹل انتظامیہ نے افطاری کے لیے پکوڑے، سموسے، چاٹ اور دہی بڑے لانے کے بجائے اذان ہونے سے پانچ منٹ پہلے کھانے کے برتنوں کے اوپر سے ڈھکن اٹھا دیے۔ پھر کیا تھا تمام لوگوں نے اپنے قریب کے سٹال کا رخ کیا۔ البتہ کچھ منیجر ٹائپ لوگوں اور خود ساختہ مدبروں نے توقف کیا تاکہ رش کم ہو جائے۔ اذان شروع ہوئی تو میں نے کھجور سے روزہ افطار کیا۔ ہم دونوں کی طرح انور فہیم کی ٹیبل کے لوگ بھی اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے کھانے کے سٹال کی طرف ابھی نہیں بڑھے تھے۔"(16)

اس افسانے میں افطاری کے بعد کے مراحل جیسے اذان کی آواز سن کر روزہ کھولنا اور باقاعدہ کھانے کا آغاز ہمارے مذہبی شعائر اور اجتماعی روایات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مگر ان مذہبی رسومات کے ساتھ جس شان و شوکت، آرائش و زیبائش، اور مالی طاقت کی نمائش کو شامل کیا گیا ہے، وہ ایک

تضاد کو جنم دیتی ہے۔ مذہب اور روایت کے نام پر منعقد کی جانے والی یہ تقریب اپنی اصل روح سے کہیں دور، ایک نمائشی سرگرمی میں بدل چکی ہے۔ اس میں عبادت کی روحانیت کی جگہ طبقاتی تفاخر اور سماجی رتبے کی جھلک واضح نظر آتی ہے۔ یہ امتزاج اس جدید معاشرت کی تصویر پیش کرتا ہے جس میں روایتی رسوم تو بظاہر برقرار ہیں، لیکن ان کی داخلی معنویت کمزور ہو چکی ہے، اور ان کا اطلاق زیادہ تر رسمی اور نمائشی سطح پر ہوتا ہے۔

افسانے کا مرکزی کردار ایک داخلی کشمکش کا شکار دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنے ادارے میں اپنی پیشہ ورانہ شناخت اور مرتبے سے گہری وابستگی رکھتا ہے، لیکن اس وابستگی کے پس پردہ ایک خاموش اضطراب اور مایوسی چھپی ہوئی ہے۔ اس کا خاندانی ماحول، خاص طور پر اس کا چھوٹا بھائی، بظاہر اس کی کامیابیوں پر فخر محسوس کرتا ہے، لیکن یہ خوشی ایک ایسے کردار کی پردہ پوشی کرتی ہے جو اپنی ذاتی زندگی میں بے سکونی اور عدم اطمینان کا سامنا کر رہا ہے۔ سعید اشعر نے اس امر کو بخوبی اجاگر کیا ہے کہ جدید معاشرت میں فرد کی ذاتی اور پیشہ ورانہ زندگی کے درمیان جو فاصلہ ہونا چاہیے، وہ بتدریج ختم ہوتا جا رہا ہے۔ دونوں دنیائیں ایک دوسرے میں یوں مدغم ہو چکی ہیں کہ فرد کہیں نہ کہیں اپنی انفرادی شناخت، جذبات اور داخلی سکون کو قربان کرتا نظر آتا ہے۔

غرض یہ کہ سعید اشعر کے افسانوی مجموعے "نوفشنگ" میں ہزارہ کی ثقافت کے عناصر جابجا بکھرے نظر آتے ہیں۔ جو اس بات کا مظہر ہے کہ ادیب معاشرے کا حصہ ہوتا ہے شعوری یا لاشعوری وہ اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اس کی تحریروں میں اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1. اکڑ تاثیر، افسانوی ادب، افغان مارکیٹ قصہ خوانی بازار، پشاور، 2012ء ص49
2. اڈگر ایلن پو، اردو کے نمائندہ افسانہ نگار، ڈائمنڈ آرٹ پریس، کولکتہ، 2009ء ص10
3. اردو افسانے کا ارتقاء مکتبہ خیال، لاہور، طبع اول اگست 1987ء، ص109
4. سلام سندیلوی، ادب کا تنقیدی مطالعہ، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، 1947ء ص142
5. ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، اصنافِ ادب، ص301
6. غلام علی الانا، زبان اور ثقافت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 1987 ص10
7. فیض احمد فیض، ہماری قومی ثقافت، ادارہ یادگار غالب، 1976، یونیورسٹی آف کیلیفورنیا، ص:4
8. ڈاکٹر سید اسد علی، ہندی ادب کے بھگتی کال پر مسلم ثقافت کے اثرات، س۔ن، ص:21
9. سعید اشعر، نوفشنگ، انحراف پبلی کیشنز لاہور، 2024ء ص15
10. ایضاً، ص15
11. ایضاً، ص19
12. ایضاً، ص36
13. سعید اشعر، نوفشنگ، انحراف پبلی کیشنز لاہور، 2024ء ص15
14. ایضاً، ص15
15. ایضاً، ص44
16. ایضاً، ص57

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Akarr Taasir, *Afsanavi Adab*, Afghan Market Qissa Khwani Bazar, Peshawar, March 2012, p.49
2. Edgar Allan Poe, *Urdu ke Numainda Afsana Nigar*, Diamond Art Press, 37 Painting Street, Kolkata, 2009, p.10
3. *Urdu Afsanay ka Irtiqa*, Maktaba-e-Khayal, Lahore, Tab'a Awwal, 1987,p 109
4. Salam Sandelvi, *Adab ka Tanqeedi Mutala'a*, Maktaba-e-Meri Library, Lahore, 1947, p.142
5. Abul Aijaz Hafeez Siddiqui, *Asnaf-e-Adab*, p.301
6. Ghulam Ali Alana, *Zaban aur Saqafat*, Allama Iqbal Open University, 1987, p.80
7. Faiz Ahmad Faiz, *Hamari Qaumi Saqafat*, Idara Yadgar-e-Ghalib, 1976, University of California, p.4
8. "Hindī Adab ke Bhakti Kaal par Muslim Saqafat ke Asraat", Dr. Syed Asad Ali, s.n., p.21
9. Saeed Ashar, *Nofishing*, Inhiraf Publications, Lahore, 2024, p.15.
10. Ibid,p.15
11. Ayzan, p.19
12. Ayzan, p.36
13. Saeed Ashar, *Nofishing*, Inhiraf Publications, Lahore, 2024, p.15
14. Ibid, p.15
15. Ibid, p.44
16. Ibid, p.57